ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2903

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: علوم حدیث (2903) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی نقطہ نمبر 2

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1: غریب الحدیث کے اسباب تفصیل کے ساتھ تحریر کریں۔ (20)

تعارف

غریب الحدیث سے مراد احادیث میں آنے والے وہ نادر، غیر مانوس اور مشکل الفاظ ہیں جن کا مفہوم عام قاری کو معلوم نہ ہو اور جن کی تشریح لغت کے ماہرین سے پوچھنی پڑے۔ لفظ غریب کے لغوی معنی اجنبی اور ناآشنا کے ہیں؛ جو لفظ قبیلے یا علاقے سے دور ہو کر اجنبی ہو جائے اسے غریب کہا جاتا ہے، اور اسی مناسبت سے حدیث کے غیر معروف لفظ کو غریب کہا گیا۔ یہاں غریب کا یہ مطلب نہیں جو مصطلح میں غریب حدیث کے لیے آتا ہے، یعنی وہ حدیث جسے کسی طبقے میں صرف ایک راوی روایت کرے؛ یہاں مراد غریب الالفاظ ہے۔ محدثین و لغویین نے ان الفاظ کی تشریح کے لیے مستقل کتب تالیف کیں جسے علم غریب الحدیث کہتے ہیں اور اس میں ابو عبید قاسم بن سلام کی غریب الحدیث، ابن قتیبہ کی غریب الحدیث، خطابی کی غریب الحدیث اور ابن اثیر کی النہایہ فی غریب الحدیث والاثر مشہور کتابیں ہیں۔ اس سوال میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ احادیث میں الفاظ کے غریب ہونے کے اسباب کیا ہیں اور اہل علم نے ان کی تشریح کس طریقے سے کی ہے۔

پہلا سبب: قبائل عرب کے لہجوں اور لغات کا اختلاف

عرب کے مختلف قبائل کی زبان اور محاوروں میں قابل ذکر فرق پایا جاتا تھا؛ ایک لفظ ایک قبیلے میں معروف ہوتا اور دوسرے قبیلے کے لیے اجنبی ہوتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام قبائل کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور آپ مختلف قبائل کے لوگوں سے ان کے لہجے اور فہم کے مطابق کلام فرماتے تھے۔ اسی طرح روایت کرنے والے صحابہ اور تابعین مختلف قبائل و علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا احادیث میں مختلف قبائل کے الفاظ آ گئے۔ بعد کے ادوار میں جب قاری کا تعلق اس قبیلے سے نہ رہا تو وہ لفظ اس کے لیے غریب ہو گیا۔ لغت کی کتابیں عموماً ہر لفظ کی نسبت اس کے قبیلے کی طرف کر کے یہی فرق واضح کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ غریب الحدیث کی تشریح میں قبائلی لغات کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور محدث کو عرب کے انساب و لہجات سے خاصی واقفیت رکھنی پڑتی ہے۔ عرب شعر و نثر کے شواہد بھی اسی لیے پیش کیے جاتے ہیں کہ وہ اسی قبائلی زبان کے محفوظ نمونے ہیں۔

دوسرا سبب: غیر مانوس اور قدیم الفاظ کا استعمال

دوسرا سبب الفاظ کا اپنے دور میں بھی کم مستعمل یا قدیم ہونا ہے۔ ہر زبان میں بعض الفاظ وقت کے ساتھ متروک ہو جاتے ہیں اور نئی نسلیں ان سے ناواقف ہو جاتی ہیں۔ احادیث چودہ صدیاں پرانی زبان کی امین ہیں؛ ان میں وہ الفاظ بھی آئے ہیں جو جزیرہ عرب کی روزمرہ زندگی، اونٹوں، ہتھیاروں، برتنوں، نباتات، موسموں اور سفر کے سامان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب معاشرہ بدل گیا اور وہ اشیاء استعمال سے نکل گئیں تو ان کے نام بھی اجنبی ہو گئے۔ اسی وجہ سے غریب الحدیث کی کتابوں میں بسیاری الفاظ اشیاء اور پیشوں کے نام ہیں۔ محدثین نے ان الفاظ کو اس لیے بھی محفوظ رکھا کہ حدیث کا درست مفہوم اکثر لفظ کے صحیح تعین پر موقوف ہوتا ہے؛ لفظ بدل جائے تو حکم یا واقعہ غلط سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ سبب بتاتا ہے کہ غریب ہونا الفاظ کی زمانی دوری کا فطری نتیجہ ہے، حدیث کی کوئی خامی نہیں۔

تیسرا وجہ/سبب: مجازی استعمال اور علاقائی محاورے

تیسرا سبب کنایہ و مجاز ہے؛ عربی زبان مجاز و استعارے سے بھرپور ہے اور احادیث میں بسا اوقات کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں آتا ہے۔ جو قاری اس مجاز سے واقف نہ ہو وہ لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کر کے الجھن میں پڑ جاتا ہے اور لفظ اس کے نزدیک غریب محسوس ہوتا ہے۔ چوتھا سبب علاقائی اور مقامی محاورے ہیں؛ حجاز، یمن، نجد اور دیگر علاقوں کے بول چال کے اپنے انداز تھے اور بعض تراکیب صرف اپنے علاقے میں سمجھی جاتی تھیں۔ جب روایات دوسرے علاقوں کے علماء تک پہنچیں تو ان تراکیب کی تشریح درکار ہوئی۔ اہل لغت نے ان محاوروں کو جمع کر کے ان کی مثالیں دیں۔ اسی طرح بعض الفاظ حمیر اور دیگر قدیم جنوبی عربی لغات سے آئے جن کا عربی ادب میں ذخیرہ خاصا قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ ان اسباب سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب الحدیث کی تشریح محض لغت دیکھنے کا کام نہیں بلکہ عرب تہذیب و معاشرت کی واقفیت بھی اس کا حصہ ہے۔

جدول: غریب الحدیث کے اسباب کا خلاصہ

سبب	وضاحت

مختلف قبائل کے الفاظ اور محاوروں کا اختلاف	قبائلی لہجے
قدیم اور متروک الفاظ کا اگلی نسلوں کے لیے اجنبی ہو جانا	زمانی دوری
لفظ کا حقیقی کے بجائے مجازی معنی میں استعمال	مجاز و کنایہ
مخصوص علاقوں کی تراکیب کا دوسروں کے لیے نامانوس ہونا	علاقائی محاورے
مختصر جملے میں وسیع مفہوم سمیٹ دینا	اختصار و بلاغت
اشیاء و پیشوں کے متروک ناموں کا ذکر	نادر اشیاء کے نام

پانچواں سبب: بلاغت، اختصار اور دیگر وجوہ

پانچواں بڑا سبب کلام کی بلاغت اور جوامع الکلم کا انداز ہے۔ احادیث میں اکثر بہت وسیع مفاہیم چند لفظوں میں سمیٹ دیے جاتے ہیں جنہیں اہل عرب اپنے ذوق کی بنا پر سمجھ لیتے تھے، لیکن بعد کے قاری کے لیے ہر لفظ کی تہہ تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض الفاظ تصحیف و نقل کی وجہ سے بھی مشکل ہو گئے؛ نسخوں میں نقطوں اور حرکات کے فرق سے لفظ کی صورت بدل گئی اور تشریح طلب ہو گئی۔ چھٹی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض الفاظ کسی خاص پیشے، فن یا ماحول سے مخصوص تھے، مثلاً طب، شکار یا زراعت کی اصطلاحیں، جو عمومی قاری کے لیے غریب تھیں۔ ان تمام اسباب کے باوجود اہم بات یہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے اصل مخاطبین کے لیے واضح تھے اور اصحاب لغت نے ان کی شہادتیں قدیم شعر و کلام سے دے کر ان کے مفاہیم متعین کر دیے ہیں۔ اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج قاری النہایہ اور لسان العرب جیسی کتابوں سے ہر غریب لفظ کا مفہوم معلوم کر سکتا ہے۔

اس علم کی کتابیں اور طریقہ تشریح

غریب الحدیث پر باقاعدہ تصنیف کا آغاز ابو عبید قاسم بن سلام سے منسوب کیا جاتا ہے جنہوں نے برسوں کی محنت سے یہ کتاب مرتب کی۔ ابن قتیبہ نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور خطابی نے اپنے انداز میں تشریح کی۔ زمخشری کی الفائق اور ابن اثیر کی النہایہ اس فن کی بلند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہیں، خصوصاً النہایہ کو اس موضوع کی جامع ترین کتاب سمجھا جاتا ہے جس سے بعد کے لغویین نے بہت استفادہ کیا۔ ان کتابوں کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ کی اصل، اس کے مادے کے معانی، عربی شواہد اور پھر حدیث میں اس کی مراد بیان کی جائے۔ بعض مقامات پر ایک ہی لفظ کے متعدد معانی ذکر کر کے سیاق کی روشنی میں راجح معنی متعین کیا جاتا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ مشکل لفظ کی تشریح میں صرف ایک لغت پر اکتفا نہ کرے بلکہ غریب الحدیث کی کتابوں کے ساتھ حدیث کی شروح بھی دیکھے، کیونکہ شارحین نے ہر حدیث کے مشکل الفاظ کو اسی کے محل پر کھولا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ غریب الحدیث کے اسباب میں قبائلی لہجوں کا اختلاف، زمانی دوری اور الفاظ کا متروک ہونا، مجاز و کنایے کا استعمال، علاقائی محاورے، بلاغتی اختصار اور نادر اشیاء کے نام شامل ہیں۔ یہ اسباب فطری اور لغوی ہیں اور ان سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اہل لغت و محدثین نے ان الفاظ کی تشریح پر مستقل کتابیں لکھ کر اس دشواری کو ہمیشہ کے لیے آسان کر دیا۔ طالب علم کے لیے اس فن کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ مفہوم حدیث کی بنیاد الفاظ کے صحیح مفہوم پر ہے، اور غلط مفہوم پر تعمیر کی گئی سمجھ غلط نتائج تک لے جاتی ہے۔ اس اعتبار سے غریب الحدیث درایت حدیث کی پہلی سیڑھی ہے۔

سوال نمبر 2

سوال نمبر 2: نسخ کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

نسخ اصول فقہ وعلوم قرآن وحدیث کا اہم باب ہے جس کا تعلق احکام کی تدریجی تشریع سے ہے۔ نسخ کے لغوی معنی مٹانے، ختم کرنے اور نقل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں نسخ سے مراد یہ ہے کہ شریعت کا ایک حکم جو پہلے دیا گیا ہو، بعد میں نازل ہونے والے شرعی دلیل سے اسے اٹھالیا جائے یا اس کی مدت عمل ختم کر دی جائے، جبکہ پہلا حکم اپنے وقت میں درست اور قابل عمل تھا۔ جس دلیل سے حکم اٹھایا جائے اسے ناسخ اور جس حکم کو اٹھایا جائے اسے منسوخ کہا جاتا ہے۔ یہ تصور قرآن کے باب میں بھی آتا ہے اور حدیث کے باب میں بھی، اور علماء نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس سوال میں نسخ کی ضرورت اور اہمیت اس لیے بیان کی جاتی ہے کہ طالب علم سمجھ سکے کہ منسوخ احکام کو جانے بغیر نصوص کی صحیح تطبیق کیوں ممکن نہیں۔ یہ سراسر علمی و تاریخی بحث ہے؛ کسی زندہ عملی مسئلے میں نسخ کا اطلاق یا فتویٰ اہل علم اور مستند علماء کا کام ہے، عام طالب علم کا کام صرف اصول کی واقفیت حاصل کرنا ہے۔

نسخ کی ضرورت: تدریج اور انسانی مصلحت

نسخ کی سب سے بڑی ضرورت تشریع کی تدریج ہے۔ اسلام جب ایک ایسی قوم میں آیا جس کی زندگی جاہلیت کے رسوم و عادات میں ڈوبی ہوئی تھی، تو تمام احکام ایک ساتھ نافذ کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہوتا۔ شریعت نے احکام مرحلہ وار نازل کیے؛ پہلے عقیدہ و اخلاق کی بنیاد رکھی گئی، پھر عبادات اور پھر معاشرتی و قانونی احکام کا سلسلہ مکمل ہوا۔ اس دوران بعض ابتدائی اجازتیں یا صورتیں بعد میں مکمل حکم سے بدل دی گئیں۔ یہ تبدیلی حکم کے غلط ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ حالات و صلاحیت کے بدلنے کی وجہ سے ہوئی؛ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر حکم کی مدت پہلے سے متعین تھی، مگر انسانوں کے سامنے اس کا ظہور تدریج سے ہوا۔ مثال کے طور پر کتب اصول میں نماز کی رکعات، روزے اور دیگر احکام میں تدریجی مراحل کی بحث اسی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اگر نسخ کا تصور نہ ہو تو ابتدائی اور آخری دونوں حکم ایک ہی وقت میں لازم ٹھہریں گے اور عمل کی کوئی درست صورت باقی نہیں رہے گی۔ اسی لیے نسخ کو جاننا نصوص کو ان کے صحیح زمانے اور درجے میں رکھنے کا ذریعہ ہے۔

نسخ کی اہمیت کا دوسرا پہلو: تعارض کا حل

علوم حدیث واصول میں بدلتے ہوئے احکام کا علم ظاہری تعارض کے حل میں بھی بنیادی کردار رکھتا ہے۔ جب دو نصوص بظاہر مختلف احکام دیتی نظر آئیں تو اہل اصول پہلے جمع و تطبیق کی کوشش کرتے ہیں؛ اگر معلوم ہو جائے کہ ایک نص پہلے کی ہے اور دوسری بعد کی اور جمع ممکن نہیں تو نسخ کا اصول اس الجھن کو حل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف الحدیث اور مشکل الحدیث کے ابواب میں نسخ کو حل کے مراحل میں رکھا گیا ہے۔ صحابہ کرام بھی احادیث کے ناسخ و منسوخ کو پہچاننے کا اہتمام کرتے تھے اور بعد کے حکم کو لآخر الامرین کہہ کر اس کی نشاندہی کی جاتی تھی۔ فقہاء کے اختلافات کا ایک حصہ بھی اسی بات سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک ایک روایت منسوخ ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں، اس لیے نسخ کی بحث فقہی مباحث کی تفہیم کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

جدول: ناسخ و منسوخ کی پہچان کے ذرائع

وضاحت	ذریعہ
خود نص میں پہلے حکم کے اٹھائے جانے کا بیان	نص کی صراحت
سیرت و اسباب نزول سے معلوم ہو کہ کون سی نص بعد کی ہے	تاریخ کا علم
صحابی کا یہ بیان کرنا کہ یہ حکم بعد میں آیا	صحابہ کی تصریح
امت کا اس بات پر اتفاق کہ فلاں حکم منسوخ ہے	اجماع

نسخ کی شرائط اور حدود

اہل اصول نے نسخ کے تحقق کے لیے شرائط مقرر کی ہیں تاکہ ہر تعارض کو نسخ کہہ کر نصوص کو معطل نہ کر دیا جائے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ منسوخ حکم شرعی عملی ہو، اخبار و عقائد میں نسخ نہیں ہوتا، کیونکہ خبر کے سچ ہونے میں زمانے کی تبدیلی سے فرق نہیں پڑتا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ناسخ بعد میں آیا ہو اور اس کا بعد میں آنا معتبر ذریعے سے معلوم ہو؛

محض مفروضے سے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں نصوص میں حقیقی تعارض ہو یعنی جمع و تطبیق واقعی ممکن نہ ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ ناسخ کم از کم منسوخ کے درجے کے برابر ہو۔ ان شرائط کی وجہ سے متاخرین علماء نے منسوخ آیات و احادیث کی تعداد کو بہت محدود کر دیا ہے، کیونکہ جن مقامات کو پہلے نسخ کہا گیا ان میں سے بہت سوں میں تخصیص یا بیان والی صورت نکلی۔ یہ احتیاط خود نسخ کے علم کی اہمیت کا ثبوت ہے کہ یہ علم بے قیدی کے بجائے قاعدے کا نام ہے۔

علم نسخ کی تدوین اور کتب

ناسخ و منسوخ پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں ابو عبید قاسم بن سلام کی الناسخ والمنسوخ، ابن شاہین اور ابو جعفر نحاس کی کتابیں اور بعد میں ابن الجوزی کی تصانیف نمایاں ہیں۔ حدیث کے باب میں فقہاء و محدثین نے ہر فقہی مسئلے میں ناسخ و منسوخ روایات کی نشان دہی کی ہے، اور شراح حدیث نے اپنی شروح میں ان مقامات کو خصوصیت سے بیان کیا ہے۔ اس علم کی تدوین سے یہ فائدہ ہوا کہ طالب علم جب کسی موضوع کی روایات پڑھتا ہے تو وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آخری عمل کس روایت پر رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ نے اس شخص کی ممانعت کی ہے جو ناسخ و منسوخ کو نہ جانتا ہو اور حدیث سے فتویٰ دینے بیٹھ جائے، کیونکہ ایسا شخص منسوخ حدیث پیش کر کے زندہ حکم کو بدل سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ تنبیہ اہل فتویٰ کے لیے ہے؛ درسی سطح پر یہ علم ہر طالب علم کو اصولاً ضرور پڑھایا جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ نسخ شریعت کی تدریجی تشریع کا قدرتی تقاضا ہے اور اس کے بغیر نہ احکام کی تاریخی ترتیب سمجھی جا سکتی ہے اور نہ ظاہری تعارض کا حل ممکن ہے۔ اس کی اہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ فقہ و حدیث کے ائمہ نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں اور مفتی کے لیے اس کا علم شرط قرار دیا۔ ساتھ ہی اہل اصول نے اس کی سخت شرائط مقرر کر کے اس کے دعوے کو محدود اور مدلل رکھا ہے۔ طالب علم کے لیے اس باب کا حاصل یہ ہے کہ وہ نصوص کو ان کے زمانی پس منظر میں سمجھے، منسوخ کو قابل عمل نہ سمجھے، اور کسی عملی مسئلے میں نسخ کے اطلاق کا حتمی فیصلہ اپنے طور پر کرنے کے بجائے مستند علماء سے رجوع کرے، کیونکہ یہ بحث علمی ہے اور اس کا اطلاق اہل اختیار کا منصب ہے۔

سوال نمبر3

سوال نمبر3: مقبول راوی کی شرائط اور رواۃ حدیث پر جرح کے اسباب بیان کریں۔(20)

تعارف

علم حدیث کی تنقیدی بنیاد یہ سوال ہے کہ کس راوی کی روایت قبول کی جائے اور کس کو رد کی جائے۔ محدثین اس راوی کو مقبول کہتے ہیں جس کی روایت قبول کر کے اس سے استدلال کیا جا سکے، اور قبولیت کے لیے انہوں نے دو بنیادی صفات مقرر کیں: عدالت اور ضبط۔ جب کسی راوی میں یہ دونوں صفات کامل طور پر ہوں تو اسے ثقہ کہا جاتا ہے اور اس کی حدیث صحیح کے درجے تک جا سکتی ہے۔ اس کے مقابلے میں جرح وہ تنقید ہے جس میں راوی کی ان خامیوں کو بیان کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے اس کی روایت قبول نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر نے جرح کے اسباب کو دس میں منحصر کیا ہے جن میں پانچ کا تعلق عدالت سے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔ اس سوال میں پہلے مقبول راوی کی شرائط بیان کی جائیں گی اور پھر جرح کے انہی دس اسباب کو تفصیل سے واضح کیا جائے گا تاکہ طالب علم ثقہ اور مجروح راوی کے درمیان فرق کو اصولاً سمجھ سکے۔

مقبول راوی کی شرائط: عدالت

مقبول راوی کی پہلی شرط عدالت ہے، یعنی راوی کے ظاہر و باطن کی وہ کیفیت جس کی بنا پر وہ تقویٰ اختیار کرے اور اخلاقی گراوٹ سے بچے۔ عدالت کی تفصیلی شرائط میں راوی کا مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عاقل ہونا، فسق سے خالی ہونا اور مروت کے خلاف باتوں سے اجتناب شامل ہے۔ اسلام اس لیے شرط ہے کہ روایت کی ذمہ داری کا شعور ایمان سے جڑا ہے۔ بلوغ اور عقل اس لیے کہ بچپن کی حالت میں تحمل کی بعض صورتیں درست ہو سکتی ہیں مگر ادا و قبولیت کا مدار فہم و ذمہ داری پر ہے۔ فسق سے اجتناب میں کبیرہ گناہوں سے بچنا اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنا آتا ہے، کیونکہ جو شخص اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں بے پروا ہو اس کے جھوٹ بولنے کا خدشہ روایت میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مروت سے مراد وہ عادات و اخلاق ہیں جن کا تقاضا شرافت و تعظیم کرتی ہے؛ جو ان امور ظاہری جھوٹ نہ بھی ہوں مگر اہل علم کی شان کے خلاف ہوں وہ بھی عدالت کو مجروح

کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ عدالت کی شرط کا مطلب ہر صغیرہ سے معصومیت نہیں، کیونکہ کمال کا یہ درجہ انبیاء کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا؛ مطلب دین میں استقامت اور امانت کا غالب حال ہے۔

مقبول راوی کی شرائط: ضبط

دوسری شرط ضبط ہے، یعنی راوی جس طرح حدیث سنے اسی طرح [illegible] کے محفوظ رکھ کر آگے منتقل کرے۔ ضبط کی دو قسمیں ہیں: ضبط الصدر، یعنی حافظے میں محفوظ رکھنا، اور ضبط الکتاب، یعنی اپنی کتاب کو اصل سے ملا کر محفوظ رکھنا اور اس میں تصرف نہ [illegible] دینا۔ ضبط صدر والا راوی وہ ہے جو سنی ہوئی بات کو جب چاہے درست بیان کر دے، اور ضبط کتاب والا وہ ہے جو اپنے نسخے کی حفاظت کرے، اسے ہر کس کے حوالے نہ کرے اور اس سے روایت کرتے وقت مقابلہ کرے۔ عدالت و ضبط کے اجتماع سے ہی ثقہ کا درجہ بنتا ہے؛ اگر عدالت مکمل اور ضبط میں کچھ کمی ہو تو راوی صدوق کے درجے میں آتا ہے اور اس کی حدیث حسن ہو سکتی ہے، لیکن عدالت ہی مجروح ہو جائے تو روایت کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ محدثین نے راویوں کے مراتب بھی اسی میزان پر مرتب کیے ہیں جن کا خاکہ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں پیش کیا ہے۔

جدول: جرح کے دس اسباب (خلاصہ)

اسباب	زمرہ
کذب، تہمت کذب، فسق، بدعت، جہالت	عدالت سے متعلق
فحش غلط، سوء حفظ، غفلت، کثرت اوہام، مخالفت ثقات	ضبط سے متعلق

جرح کے اسباب: عدالت سے متعلق پانچ اسباب

جرح کا سب سے بڑا سبب کذب ہے، یعنی راوی کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کا ثابت ہو جانا؛ ایسے راوی کی حدیث موضوع ہوتی ہے اور اس روایت کو ائمہ نے سخت ترین رد کیا ہے۔ دوسرا سبب تہمت کذب ہے، یعنی راوی حدیث میں تو جھوٹ ثابت نہ ہو مگر عام بات چیت میں جھوٹا مشہور ہو، یا اس کی منفرد روایات ایسی ہوں جو اصول کے خلاف ہوں اور اس کے سوا کسی سے نہ ملتی ہوں؛ یہ بھی روایت کے رد کا سبب ہے۔ تیسرا سبب فسق ہے، یعنی عملی زندگی میں شرعی فرائض کی پابندی نہ کرنا اور نافرمانیوں کا ارتکاب، کیونکہ یہ دیانت کی کمی ظاہر کرتا ہے۔ چوتھا سبب بدعت ہے، یعنی دین میں ایسی بات ایجاد کرنا جو شریعت کے اصولوں سے ٹکرائے؛ اس میں محدثین نے تفصیل رکھی ہے کہ بدعت کی نوعیت اور اس کی طرف دعوت دینے یا نہ دینے کو دیکھا جائے، اور جن راویوں کی بدعت اس درجے کی نہ ہو اور وہ سچے و ضابط ہوں ان کی روایت باہم شرائط کے ساتھ لی بھی گئی ہے۔ پانچواں سبب جہالت ہے، یعنی راوی کا مجہول ہونا، چاہے اس کا نام معلوم ہو یا نام معلوم ہو مگر حال معلوم نہ ہو؛ مجہول راوی کی روایت اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک اس کی عدالت معلوم نہ ہو جائے۔ یہ پانچ اسباب گویا راوی کی شخصیت و دیانت پر سوال لگاتے ہیں۔

جرح کے اسباب: ضبط سے متعلق پانچ اسباب

ضبط سے متعلق پہلا سبب فحش غلط ہے، یعنی راوی کی غلطیاں اس کی درستگیوں سے بڑھ جائیں۔ دوسرا سبب سوءِ حفظ ہے، یعنی حافظہ کمزور ہونا؛ اس کی بھی صورتیں ہیں، کبھی یہ عارضی کمزوری ہوتی ہے جیسے بڑھاپے میں اختلاط ہو جانا، جس پر محدثین نے یہ اصول دیا کہ اختلاط سے پہلے کی روایات قبول اور بعد کی قابلِ غور ہوں۔ تیسرا سبب غفلت ہے، یعنی سماع و ادا میں بے توجہی اور شیخ کی کتاب سے مقابلے میں سستی۔ چوتھا سبب کثرتِ اوہام ہے، یعنی بار بار توہم کی غلطیاں کرنا، کسی راوی کو دوسرا سمجھنا یا سند و متن میں غیر محسوس الٹ پھیر کر دینا۔ پانچواں سبب مخالفتِ ثقات ہے، یعنی راوی کا اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں یا ثقات کی اکثریت کے خلاف روایت کرنا، جس سے اس کی روایت شاذ یا منکر قرار پاتی ہے۔ ان اسباب سے متاثرہ روایت ضعیف کے مراتب میں آتی ہے اور اس کا ضعف سبب کی شدت کے مطابق کم یا زیادہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ ضبط کی معمولی کمی اور عدالت کی خامی میں بڑا فرق ہے؛ پہلی صورت میں روایت حسن یا خفیف ضعف تک رہ سکتی ہے جبکہ عدالت پر جرح عموماً روایت کو ساقط کر دیتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ مقبول راوی وہ ہے جو عادل بھی ہو اور ضابط بھی، یعنی دیانت و تقویٰ کے ساتھ اخذ و ادا میں بھی پکا ہو۔ عدالت کی شرائط میں اسلام، بلوغ، عقل، فسق سے اجتناب اور مروت کی رعایت شامل ہیں اور ضبط کی دو صورتیں حفظ و کتابت ہیں۔ اس کے مقابلے میں جرح کے دس اسباب راوی کی عدالت یا ضبط کو مجروح کرتے ہیں جنہیں جانے بغیر کتب رجال کی عبارتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ محدثین نے یہ معیار ذاتی پسند ناپسند پر نہیں بلکہ سالہا سال کی تحقیق پر قائم کیا، اسی لیے ان کے فیصلے مجموعی حیثیت سے امت کے نزدیک معتبر ہیں۔ طالب علم کے لیے اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہر راوی کو اسی دوہری میزان، مدار عدالت و ضبط، پر رکھ کر دیکھے۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4: تعدیل اور جرح کی قبولیت کی شرائط تحریر کریں۔ (20)

تعارف

جرح و تعدیل علم حدیث کی تنقیدی روح ہے۔ جرح کا مطلب راوی کے ان عیوب بیان کرنا جن سے اس کی روایت رد ہو، اور تعدیل کا مطلب اس کی عدالت و ثقاہت بیان کرنا ہے۔ لیکن یہ محض کسی کا کہہ دینا کافی نہیں سمجھا گیا، کیونکہ یہ ایک ایسی گواہی ہے جس پر دینی امور کا استدلال موقوف ہے۔ اگر یہ باب بے قاعدہ ہو جاتا تو ہر شخص اپنی رائے سے راویوں کو گرا دیتا یا اٹھا دیتا، اور رائے زنی و تعصب کا دروازہ کھل جاتا۔ اسی لیے محدثین و اصولیین نے جرح و تعدیل کی قبولیت کے لیے شرائط مقرر کیں: جارح و معدل کی اپنی اہلیت، جرح کے اسباب کی وضاحت، اور تعدیل کے قبول ہونے کے درجات۔ اس سوال میں انہی شرائط کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس فن میں تنقید خود بھی اصول کی پابند ہے۔ اس بحث کا پس منظر یہ بھی ہے کہ جرح و تعدیل کے ائمہ میں بھی درجات ہیں، اس لیے ہر ناقد کی ہر بات کو ایک ہی مقام نہیں دیا جاتا۔

پہلی شرط: جارح ومعدل کا اہل وعادل ہونا

قبولیت کی پہلی شرط یہ ہے کہ جرح یا تعدیل کرنے والا خود اس فن کا اہل ہو۔ اہلیت میں علم، دیانت، اس فن کی معرفت اور تعصب سے پاک ہونا شامل ہے۔ ناواقف شخص کی جرح معتبر نہیں، اسی طرح ہم عصروں کے درمیان پیشہ وارانہ تنافس یا ذاتی اختلاف کی بنیاد پر کی گئی جرح کو ائمہ نے شک کی نگاہ سے دیکھا ہے، خصوصاً جب دونوں ہم پلہ علماء ہوں۔ محدثین نے ناقدین کو بھی طبقات میں تقسیم کیا ہے؛ کچھ ائمہ رجال فن میں متشدد مشہور ہیں، کچھ معتدل اور کچھ متساہل۔ یہی وجہ ہے کہ متساہل ناقد کی تنہا تعدیل یا متشدد ناقد کی تنہا جرح پر فیصلہ کرنے سے پہلے دیگر ائمہ کی آراء بھی دیکھی جاتی ہیں۔ بہترین ناقد وہ سمجھا گیا جو عالم بھی ہو، دیانت دار بھی اور اس فن کی باریکیوں سے اس قدر واقف ہو کہ وہ جرح کا سبب بھی جانے اور درجہ بھی۔ امام ذہبی نے الموقظہ میں ان درجات کی طرف اشارے کیے ہیں اور ان کا یہ اصول نقل کیا جاتا ہے کہ اس فن میں کلام صرف انہی کا معتبر ہے جو اس کے ماہر ہوں۔

دوسری شرط: جرح کا مفسر ہونا

دوسری بڑی شرط جرح کے اسباب کی وضاحت ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک مبہم جرح، یعنی بغیر سبب بیان کیے صرف یہ کہہ دینا کہ راوی ضعیف ہے، اس راوی کے بارے میں قبول نہیں کی جاتی جس کی تعدیل پہلے سے ثابت ہو، کیونکہ ممکن ہے جس وجہ کو جارح جرح سمجھ رہا ہو وہ دوسروں کے نزدیک جرح نہ ہو؛ اختلاف فقہی یا کلامی کی بنیاد پر جرح اس کی عام مثال ہے۔ اس کے برعکس مفسر جرح، یعنی سبب کے ساتھ تنقید، قبول کی جاتی ہے، مثلاً یہ بتانا کہ راوی فلاں حدیث میں ثقات کے خلاف ہے یا اس کا حافظہ آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا۔ البتہ اگر جارح اس فن کا معروف امام ہو اور راوی کے بارے میں تعدیل سرے سے ثابت ہی نہ ہو تو اس کی مجمل جرح کا بھی وزن رکھا گیا ہے۔ اسی شرط کی بنا پر کتب رجال میں جرح کی عبارتیں عموماً اسباب کے ساتھ نقل ہوتی ہیں اور طالب علم کو تلقین کی جاتی ہے کہ وہ مجمل الفاظ پر فیصلہ کرنے کے بجائے ائمہ کے مجموعی فیصلے اور سبب دونوں کو سامنے رکھے۔

تیسری شرط: تعدیل کی قبولیت اور اس کے درجات

تعدیل میں شرط کا پہلو مختلف ہے۔ جمہور کے نزدیک تعدیل مجملاً بھی قبول ہو جاتی ہے، کیونکہ تعدیل کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، جبکہ جرح کا سبب معین ہوتا ہے اس لیے اس کا بیان ممکن و ضروری ہے۔ تاہم اس میں بھی تفصیل ہے: تعدیل کرنے والے کا اس راوی کے حال سے واقف ہونا چاہیے، جن لوگوں نے خود سماع نہ کیا ہو ان کی تعدیل ان کے مشاہدے پر نہیں بلکہ نقل پر مبنی ہوتی ہے۔ ائمہ نے اس میں بھی درجہ بندی رکھی ہے۔ تعدیل کی عبارات کے بھی مراتب ہیں، جیسے ثقہ، ثبت، حجہ وغیرہ الفاظ قوی تعدیل ہیں اور صدوق وغیرہ اس سے کم درجے کی۔ ان الفاظ کا صحیح مفہوم جاننا بھی قبولیت کا حصہ ہے، کیونکہ ہر ناقد کے اپنے اصطلاحی استعمالات ہیں؛ مثلاً کسی امام کے ہاں ایک لفظ کا جو مفہوم ہے وہی مفہوم دوسرے کے ہاں نہیں ہوتا۔ اس لیے کتب مصطلح میں ہر امام کے مزاج و اصطلاحات الگ سے پڑھائی جاتی ہیں۔

جدول: جرح و تعدیل کی قبولیت کی نمایاں شرائط

مطالبہ	شرط
علم، دیانت، فن کی معرفت، تعصب سے خالی ہونا	ناقد کی اہلیت
سبب بیان کیا جائے، خصوصاً جب تعدیل ثابت ہو	جرح کا مفسر ہونا
معدل راوی کے احوال سے واقف ہو اور الفاظ کے مراتب جانے	تعدیل میں واقفیت
جرح مفسر کو تعدیل پر مقدم رکھا جائے گا	تعارض کا اصول
متشدد، معتدل و متساہل ائمہ کی آراء کو ان کے درجے میں رکھنا	ناقد کے مزاج کا لحاظ

تعارض کی صورت میں اصول

جب ایک ہی راوی میں جرح و تعدیل دونوں آ جائیں تو اصول یہ ہے کہ مفسر جرح کو تعدیل پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ جارح کے پاس وہ اضافی معلومات ہیں جو معدل کے پاس نہیں، اور تعدیل عموماً ظاہری حال پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر جرح مبہم ہو اور تعدیل ثابت و معتبر ہو تو پھر تعدیل مقدم ہو گی۔ اگر جرح کرنے والوں اور تعدیل کرنے والوں میں معیار کا فرق ہو تو بھی اسی کے مطابق ترجیح ہو گی۔ اسی اصول کا اطلاق اس صورت پر بھی ہوتا ہے جہاں کسی ناقد نے پہلے تعدیل کی اور بعد میں رجوع کر لیا یا اس کے برعکس۔ ان باریکیوں کا حاصل یہ ہے کہ اس فن میں کوئی فیصلہ ایک عبارت پر نہیں ہوتا بلکہ ائمہ کی مجموعی آراء، اسباب اور ہر ناقد کے مزاج کو ملا کر ہوتا ہے۔ بڑی کتب رجال میں یہی منہج اختیار کیا گیا ہے کہ تمام اقوال نقل کر کے آخر میں خلاصہ درجہ بیان کیا جائے، جیسے حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں ہر راوی کا خلاصہ فیصلہ دیا ہے۔

اس فن میں احتیاط کی اہمیت

جرح و تعدیل کی شرائط کی سختی اس لیے رکھی گئی کہ یہ عمل ایک طرف انسانی عزت سے بھی جڑا ہے اور دوسری طرف دین کے استدلال سے بھی۔ کسی راوی کو بلاوجہ مجروح کرنا اس کی ناحق بدنامی ہے اور کسی ناقابل اعتماد راوی کو ثقہ کہنا حدیث میں غلطی داخل کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اس باب کے آداب بیان کیے اور فقہاء نے اسے باب شہادت کے اصولوں سے جوڑا، کیونکہ راوی کا حال بیان کرنا دراصل اس کی روایت کے حق میں یا خلاف گواہی ہے۔ جدید دور میں تحقیق کرنے والوں کو بھی یہی اصول دیا گیا ہے کہ فیسبک و عوامی سطح پر کسی شخصیت یا راوی کے بارے میں بے تحقیق تنقید نہ کریں بلکہ ائمہ کے طے شدہ نتائج کو حوالہ کے ساتھ نقل کریں۔ کسی خاص شخص یا جماعت کے بارے میں جرح کا اطلاق اور عملی فیصلہ بہر حال اہل علم و اختیار کا کام ہے، طالب علم کا کام اصولوں کی معرفت ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ جرح و تعدیل کی قبولیت تین بڑی بنیادوں پر ہے: ناقد خود عالم، عادل اور اس فن کا ماہر ہو، جرح اسباب کے ساتھ بیان کی جائے، اور تعارض کی صورت میں مفسر جرح کو تعدیل پر مقدم رکھا جائے۔ تعدیل مجملاً قبول ہوتی ہے مگر اس کے الفاظ و مراتب اور ناقد کے مزاج کا لحاظ ضروری ہے۔ ان شرائط نے اس فن کو شخصی آراء کے بازار سے

نکال کر اصولوں کا علم بنا دیا اور یہی اس کی قابل اعتماد ہونے کی وجہ ہے۔ طالب علم جب کتب رجال کھولے تو اسے چاہیے کہ کسی ایک قول پر نتیجہ نکالنے کے بجائے ائمہ کے مجموعی فیصلے کو دیکھے، کیونکہ جرح وتعدیل کا فن اجتماعی تحقیق کا نام ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5: تخریج الحدیث کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

تخریج الحدیث سے مراد کسی حدیث کو اس کے اصل مصادر میں تلاش کرنا، اس کے مآخذ کا پتہ لگانا اور اس کے حکم یعنی صحت و ضعف کو بیان کرنا ہے۔ تخریج کا لفظ اخراج سے ہے اور محدثین کی اصطلاح میں امام کا اپنی کتاب میں سند کے ساتھ حدیث لانا بھی تخریج کہلاتا ہے، لیکن تحقیقی استعمال میں اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کتاب، مضمون یا تقریر میں بلا حوالہ آئی ہوئی حدیث کو تلاش کر کے بتایا جائے کہ یہ کس کس کتاب میں، کس سند سے آئی ہے اور محدثین نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ آج کے دور میں یہ فن انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہے کیونکہ کتب، خطبات اور سوشل میڈیا میں بے شمار روایات بغیر حوالے گردش کرتی ہیں۔ اس سوال میں تخریج کی ضرورت واہمیت، اس کے فوائد اور اس کے اہم طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔

تخریج کی ضرورت کے اسباب

تخریج کی پہلی ضرورت درست نسبت کی تصدیق ہے۔ کوئی بات حدیث کہہ کر پیش کر دی جائے تو جب تک اس کا ماخذ معلوم نہ ہو اس کی نسبت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔ تخریج اس بات کو پرکھتی ہے کہ آیا یہ الفاظ واقعۃً کتب حدیث میں موجود ہیں یا یہ محض کسی کا قول، قصہ یا کمزور روایت ہے جسے حدیث سمجھ لیا گیا۔ دوسری ضرورت درجہ صحت کی معرفت ہے؛ حدیث مل جانا کافی نہیں، یہ بھی جاننا ہوتا ہے کہ وہ صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف و موضوع ہے، کیونکہ استدلال کا مدار اسی پر ہے۔ تیسری ضرورت حوالے کی درستگی ہے؛

مصنفین اور مقررین بسا اوقات حدیث کا نام یا کتاب کا نام غلط ذکر کر دیتے ہیں، تخریج اس تصحیح کو ممکن بناتی ہے۔ چوتھی ضرورت من گھڑت روایات کی روک تھام ہے؛ جب کسی روایت کی تخریج کی جائے اور وہ مصادر میں نہ ملے یا موضوع نکلے تو عوام و طلبہ کو غلط بات دین سمجھنے سے بچایا جا سکتا ہے۔ یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے اہل علم نے ہر بڑی کتاب کی احادیث کی تخریج کو تحقیقی معیار کا لازمی حصہ قرار دیا ہے۔

تخریج کے فوائد و اہمیت

تخریج کا سب سے بڑا فائدہ محقق کو تمام طرق تک رسائی ہے۔ جب حدیث کے تمام آمدورفت جمع ہو جاتے ہیں تو ان کے موازنے سے علل، شذوذ اور متابعات و شواہد کی پہچان ہوتی ہے؛ کوئی کمزور روایت دوسری روایت کی تائید پا کر حسن لغیرہ کے درجے تک بھی جا سکتی ہے اور بظاہر صحیح روایت علت کی وجہ سے قابلِ غور ٹھہرتی ہے۔ دوسرا فائدہ فقہی استفادے میں آسانی ہے، کیونکہ فقیہ جب حکم بیان کرتا ہے تو اس کا پورا مدار حدیث کے درجے پر ہوتا ہے۔ تیسرا فائدہ تعلیمی ہے؛ طالب علم تخریج کی مشق سے کتب حدیث کی ترتیب، اطراف، معاجم اور موسوعات سے واقف ہوتا ہے اور اس کی تحقیقی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ تخریج سے حدیث کی حفاظت کا وہ سلسلہ جاری رہتا ہے جو محدثین نے صدیوں پہلے شروع کیا تھا؛ آج کا محقق انہی اصولوں پر نئی پیش کی گئی ہر روایت کو پرکھتا ہے۔ دورِ حاضر میں کمپیوٹر پروگراموں اور ڈیجیٹل مکتبات نے تلاش کو تیز کر دیا ہے، مگر فیصلہ آج بھی اصولِ حدیث کے ماہر ہی کا معتبر ہے۔

جدول: تخریج کے بنیادی طریقے

وضاحت	طریقہ
صحابی کا نام معلوم ہو تو مسانید و معاجم میں تلاش	راوی اعلیٰ سے تلاش
حدیث کے نمایاں لفظ سے معاجم و فہارس میں تلاش	لفظ سے تلاش
کتاب کے متعلقہ فقہی یا موضوعی باب میں تلاش	موضوع سے تلاش

تحفۃ الاشراف جیسی کتب اطراف سے طرق جمع کرنا	اطراف سے تلاش
کتب علل ورجال اور ائمہ کے اقوال سے درجہ متعین کرنا	حکم کی تحقیق

تخریج کے اہم مآخذ ووسائل

تخریج کے مروجہ وسائل میں سب سے پہلے حدیث کے بنیادی مصادر آتے ہیں یعنی صحاح ستہ، مؤطا، مسند احمد اور دیگر کتب جن سے حدیث کا اصل متن وسند لیا جائے۔ دوسرے درجے میں کتب اطراف ہیں جن میں حافظ مزّی کی تحفۃ الاشراف نمایاں ہے؛ اس میں ہر حدیث کے تمام طرق کو اشاروں سے جمع کر دیا گیا ہے۔ تیسرے درجے میں معاجم المفہرسہ اور جدید فہارس آتے ہیں جن میں الفاظ کے اعتبار سے حدیث تلاش کی جاسکتی ہے۔ چوتھے درجے میں وہ کتب آتی ہیں جو محض تخریج کے لیے لکھی گئیں، جیسے حافظ عراقی کی احیاء علوم الدین کی تخریج، حافظ زیلعی کی نصب الرایہ فقہی کتابوں کی احادیث پر، اور حافظ ابن حجر کی التلخیص الحبیر۔ معاصر دور میں الشاملہ اور دیگر ڈیجیٹل مکتبات نے تلاش کو آسان کر دیا ہے لیکن محقق کو چاہیے کہ حوالہ تلاش کرنے کے بعد اصل کتاب کے مطبوعہ نسخے میں اس کی تصدیق کرے، کیونکہ ڈیجیٹل متن میں غلطی کا امکان رہتا ہے۔

تخریج کی عملی مشق اور معاصر صورت حال

تخریج کی عملی مشق کا آغاز عام طور پر اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے حدیث کے سب سے نمایاں اور کم استعمال ہونے والے لفظ کو منتخب کیا جاتا ہے، کیونکہ عام الفاظ سے تلاش میں سینکڑوں غیر متعلقہ روایات سامنے آجاتی ہیں۔ پھر اس لفظ کی مدد سے معاجم اور ڈیجیٹل وسائل میں تلاش کر کے اصل مصادر کی نشاندہی کی جاتی ہے، اس کے بعد ہر ماخذ کی سند الگ الگ لکھی جاتی ہے اور راویوں کے تراجم کتب رجال سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس مرحلے میں بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر ایک حدیث دراصل دو الگ واقعات کی روایات ہیں جنہیں کسی نے جمع کر دیا تھا، یا اس کے بعض الفاظ کسی راوی کا اپنا اضافہ ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں تخریج محض حوالہ تلاش کرنے سے آگے بڑھ کر تنقیدی تحقیق بن جاتی ہے۔ معاصر محققین نے اس کام کو ادارہ جاتی صورت بھی دی ہے؛ جامعات کے تحقیقی مقالات، کتب حدیث کے محقق نسخے اور رسائل کی تخریجی اشاعت اسی کی مثالیں

ہیں۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ تخریج کی مشق چھوٹی چھوٹی روایات سے شروع کرے اور ہر مرحلے کا نتیجہ باقاعدہ لکھے، کیونکہ یہ فن صرف پڑھنے سے نہیں بلکہ کرنے سے آتا ہے، اور اس کی مہارت ہی اسے نقل کرنے والے سے محقق بناتی ہے۔

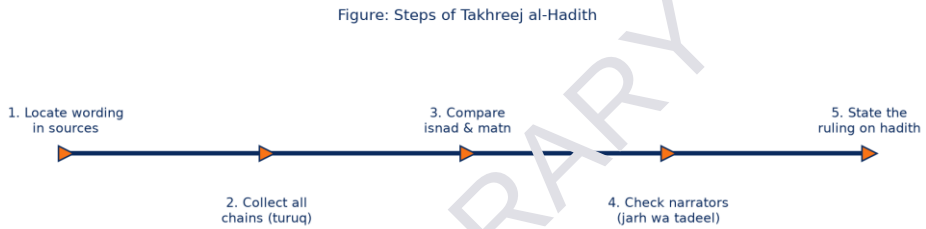

شکل: تخریج الحدیث کے بنیادی مراحل

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ تخریج الحدیث اس دور کی ناگزیر تحقیقی ضرورت ہے؛ اسی سے حدیث کی اصل نسبت ثابت ہوتی ہے، اسی سے اس کا درجہ صحت معلوم ہوتا ہے اور اسی سے من گھڑت و بے اصل باتوں کا راستہ بند ہوتا ہے۔ تخریج کے بغیر پیش کی گئی ہر حدیث محض دعویٰ رہتی ہے، جبکہ تخریج اس دعوے کو شہادت میں بدل دیتی ہے۔ اس فن کی برکت سے طلبہ، اساتذہ، مصنفین اور مقررین سب پر لازم ہے کہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کا حوالہ و درجہ معلوم کریں۔ یہی وہ امانت ہے جس پر محدثین صدیوں سے قائم ہیں اور یہی علم حدیث کی حفاظت کا تسلسل ہے۔ آخر میں یہ واضح رہے کہ حدیث کے حکم میں قطعی اختلاف ہو تو رائے کا فیصلہ ماہرین فن کے اصولوں کے مطابق ہوتا ہے، محض تلاش کر لینا درجہ متعین کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔